☆ حافظ شبیر احمد

امام محمدؒ کا فقہی مقام

ابتدائیہ:

نام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔(۱) صحیح ترین قول کے مطابق امام محمدؒ ۱۳۱ھ کے اواخر یا ۱۳۲ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔(۲) امام موصوف کی جائے پیدائش عراق کا شہر واسط جبکہ آبائی وطن دمشق کے شہر غوطہ کی بستی حرستا تھی۔ آپؒ کی پرورش بچپن سے جوانی تک کوفہ میں ہوئی (۳)۔

امام محمدؒ نے پڑھنا سیکھنے کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ حفظ کیا اور کچھ احادیث نبویہ یاد کیں۔ پھر ان کو عربی زبان اور حدیث کے دروس میں شریک ہونے کا شوق ہوا۔ کوفہ اس وقت علومِ عربیہ کا مرکز تھا۔ جب سے صحابہ کرامؓ نے وہاں رہائش اختیار کی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا اس وقت سے وہ حدیث وفقہ کی تعلیم کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ علم وعلماء کی کثرت کی وجہ سے یہ شہر علمی عروج پر تھا۔ کوفہ کی مساجد فقہ، حدیث، نحو ادب، ورلغت واخبار کے حلقوں سے پُر رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ کوفہ اسلامی تقاضوں، اصل عربی روایات، بیرونی ثقافتوں اور مختلف اجنبی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ حقیقۃً اس کی کیفیت بالکل وہی تھی جس کی منظرکشی کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ-۱۵۰ھ) نے اسے ''مدینۃ العلم'' قرار دیا تھا (۴)۔

اس بلند پایہ علمی معاشرے میں امام محمد رحمۃ اللہ نے عربی لغت اور روایت حدیث کے کچھ دروس لیے مگر وہ اس سلسلہ کو زیادہ عرصہ جاری نہ رکھ سکے۔ اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ کے حلقہء درس نے ان کو اپنی جانب کھینچ لیا، جو دیگر تمام حلقہائے درس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک زیادہ قابل ترجیح بن گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عربی زبان وادب سے ان کا تعلق منقطع ہوگیا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد لغت وشعر سے کہیں زیادہ حدیث وفقہ میں ان کی دلچسپی بڑھ گئی۔ امام محمدؒ اپنی نوعمری ہی میں اپنے دور کی نامور علمی شخصیات کے ہاں معروف تھے۔ ابھی ان کی مَسیں بھی نہ بھیگی تھیں کہ آپ کی شرافت کے مظاہر اور علمی کمالات زبان زدِ خاص وعام تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے، جبکہ وہ ابھی بالکل نوخیز تھے، فرمایا:

☆ لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

إن عاش فسيكون له شأن (۵) ''یعنی اگر یہ نو جوان زندہ رہا تو بڑا مرتبہ مقام پائے گا''۔

امام محمدؒ انتہا درجہ کے ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔ اپنے شیخ امام ابو حنیفہ کی خواہش پر صرف سات دن میں مکمل قرآن کریم حفظ کر کے ان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ امام محمدؒ، امام ابو حنیفہؒ کی شاگردی کے عرصہ میں نہ صرف ان سے مسائل کا سماع کرتے اور ان کی تحقیق میں شریک ہوتے بلکہ ان کو باقاعدہ تحریر کرتے اور مرتب کرتے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے اولین استاد (ابو حنیفہؒ) سے علم حدیث وعلم فقہ دونوں حاصل کیے، اس کے باوجود وہ دیگر محدثین کے حلقات درس میں بھی شریک ہونے کی کوشش کرتے تاکہ ان سے احادیث و آثار کا مزید علم حاصل کریں۔ (۶) یہی وجہ ہے کہ ان کے اساتذہ و شیوخ کی ایک کثیر تعداد ہے جن میں مفسر، محدث، فقیہہ، لغوی، ادیب اور مؤرخ ہر قسم کے اہل علم تھے۔ امام موصوف تحصیل علم کے مرحلہ سے گذر کر فقہ، حدیث اور لغت میں امامت کے درجے پر فائز ہو چکے تھے۔ (۷)

امتِ مسلمہ کی وہ قابل فخر شاندار فقہی میراث جو علمی سرمائے کے لحاظ سے تاریخ انسانی میں منفرد اور یگانہء روزگار شمار ہوتی ہے، اور اپنی مخصوص ساخت، گہرائی و گیرائی، آفاقیت و عالمگیریت، لچک، دقیق قانونی نظریات اور عدل و انصاف میں مصلحتِ عامہ و خاصہ کا لحاظ رکھنے کی بنا پر ممتاز اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس حیرت انگیز فقہی سرمائے کی بنیاد قانون سازی کے اصلی مصادر قرآن وسنت ہیں۔ لہذا مختلف آراء ونظریات پر مشتمل اس علمی سرمائے کا سارا ذخیرہ فقہاء کے ایک جم غفیر کی کاوشوں اور محنتوں کا مرہون منت ہے جنہوں نے خدمتِ علم کے لیے بے مثال اخلاص کا ثبوت دیا۔ ان فقہاء کرام میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی کو ایسے علمی اور منطقی انداز میں مدوّن کیا کہ ان سے پہلے کسی نے اس انداز میں مدوّن نہ کیا تھا۔ امام موصوف نے اپنے پیچھے جو بھاری اور قابلِ قدر فقہی میراث چھوڑی ہے وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ایک زرخیز قانونی دماغ رکھنے والے اور حصول علم کے لیے انتہائی حریص تھے اس کے لیے آپ نے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیا اور کتنا ہی مال خرچ کیا۔ آپؒ کی کتاب ''السیر الکبیر'' تو آپ کو بین الاقوامی قانون پر لکھنے والے ماہرین قانون میں سرِ فہرست مقام دلاتی ہے۔

امام محمدؒ بھرپور قابل رشک زندگی گزارنے کے بعد بغداد کے ایک علاقہ رَے کی ایک بستی ''رمویہ'' میں اس وقت فوت ہوئے۔ جب آپ ہارون رشید کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے۔ نیز ان کے ساتھ اسی سفر میں نحویوں کے شیخ امام کسائی کا بھی انتقال ہوا۔ اس طرح امام موصوف ۱۸۹ء میں دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو گئے۔ ہارون رشید نے ان دونوں کی وفات پر اظہارِ غم کرتے ہوئے کہا:

دفنت الفقه و النحو بالری ''یعنی میں نے فقہ اور نحو کو رَے میں دفن کر دیا ہے'' (۸)

فقہی مقام:

امام محمد رحمۃ اللہ ایک مجتہد فقیہہ اور محدّث امام تھے۔ جن کا مرتبہ و مقام اپنے ہمعصر ائمہ فقہاء اور بلند پایہ محدثین سے کسی طرح کم نہ تھا۔ لیکن اب تک اس عظیم المرتبت امام کو نظر انداز کیا گیا ہے، ان کی شخصیت اور علمی خدمات کا ایسا تفصیلی و تحقیقی مطالعہ نہیں کیا گیا جو ان کے فقہی مقام اور علمی کارنامے کو پوری طرح واضح کر دے اور پوری شرح و بسط کے ساتھ ان کی کتب کا تعارف کرا دے۔ اس کی تازہ مثال ادارہ تحقیقات اسلامی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ''بین الاقوامی امام ابوحنیفہ کانفرنس ہے (منعقدہ ۰۰-۱۸ اکتوبر ۱۹۹۸ء) اس کانفرنس میں مولانا احمد رضا خانؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ پر تو مقالے پیش کیے گئے ہیں لیکن فقہ حنفی کے روح رواں اور اس کے بنیادی ستون امام محمدؒ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور کوئی ایک مقالہ بھی ان پر پیش نہیں کیا گیا۔ امام موصوف جن علمی و اخلاقی اوصاف کے حامل تھے وہ کسی ایک شخصیت میں کم ہی جمع ہوتے ہیں۔ فقہی اعتبار سے امام محمدؒ کی شخصیت اپنے آثار و آراء اور نمایاں اثرات کے لحاظ سے مالا مال ہے۔ اس لیے ان کی زندگی میں موجود بے مثال اور لازوال علمی و فقہی کارناموں سے رہنمائی حاصل کرنا دورِ حاضر کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اشد ضروری ہے۔

ترکی کے علماء بہت زیادہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں امام محمدؒ کی یاد میں ۱۳۸۹ھ میں ایک عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس منعقد کر کے امتِ مسلمہ کو اس بات کی یاد دہانی کرا دی کہ امام محمدؒ کی وفات پر بارہ صدیاں گذر چکی ہیں۔ اس موقع پر جو کانفرنس انہوں نے منعقد کی یقیناً وہ امام موصوف کے مرتبہ و مقام کے شایان شان تھی۔ اس کانفرنس میں متعدد تحقیقی و علمی مقالہ جات پڑھے گئے جو اجمالی طور پر امام محمدؒ کی حیات، ان کی فقہ اور مؤلفات پر مشتمل تھے۔ ان مقالہ جات میں نمایاں ترین وقیع تحقیقی مقالہ وہ ہے جسے نامور عالمی سکالر ڈاکٹر حمید اللہ نے ''الإمام محمد أعظم فقہاء الإسلام'' (امام محمد اسلام کے عظیم ترین فقیہہ) کے موضوع پر تحریر کیا ہے۔ مذکورہ کانفرنس نے نہ صرف ان تحقیقی مقالہ جات کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جن کی تیاری میں ترکی اور ہندوستان کے نامور علماء نے حصہ لیا تھا، بلکہ اس موقع پر ترکی اور دنیا کی بعض دیگر لائبریریوں میں موجود امام محمدؒ کے قلمی و غیر قلمی علمی کارناموں اور خدماتِ فقہیہ کی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا۔ (۹)

اس نمائش نے اگرچہ امام محمدؒ کے تمام آثار کو ہمارے سامنے پیش نہیں کیا۔ تاہم ایک اہم علمی حقیقت کو واضح کر دیا ہے جو بسا اوقات اسلامی فقہی میراث کو ہدفِ تنقید بنانے والے بہت سے لوگوں پر

پوشیدہ رہتی ہے۔ وہ یہ کہ کتاب ''الأصل'' کے تیس سے زائد قلمی نسخے صرف ترکی کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ تو بالکل مکمل ہیں اور کچھ نامکمل ہیں۔ ''مراد مُلا'' لائبریری میں موجود اس کتاب کے نسخوں کو کامل ترین قلمی نسخے شمار کیا جاتا ہے جو آٹھ جلدوں اور ۲۳۷۰، اوراق پر مشتمل ہیں۔ (۱۰)

امام محمدؒ کی زندگی میں نمایاں ترین چیز یہ ہے کہ آپؒ نے تقریباً اپنی پوری زندگی تحصیل علم، درس و تدریس اور تدوین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ انتہائی حرص کی حد تک تمام عصری علوم کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آپ امامِ فقہ کی حیثیت سے مشہور ہیں مگر آپ تفسیر، حدیث، لغت اور ادب میں بھی امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ امام موصوف کو اپنی بھرپور توجہ اور شوق کے مطابق تحصیل علم کی عمدہ استعداد میسر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیز ذہانت قوی حافظہ اور ماہرانہ قانون ساز عقلی صلاحیت سے نوازا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نفع آور کثیر دولت وثروت سے نوازا تھا جو آپ کو اپنے باپ سے میراث میں ملی تھی، جو آپ کے لیے اور آپ کے اہل وعیال کے لیے خوشحال اور پرسکون زندگی کی ضامن بن گئی اور آپ کو معاشی فکر سے آزاد کر کے تحصیل و تدوین علم کے لیے پوری طرح فارغ کر دیا۔ آپ تحصیل و تدوین علم کے لیے سرگرم جدوجہد کرتے اور اس کی خاطر دل کو کھول کر خرچ کرتے۔ (۱۱)

امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نہ صرف اہل رائے کی فقہ حاصل کی بلکہ ان سے ان اہل علم کی میراث بھی حاصل کی جو احادیثِ رسول، اقوال صحابہ اور آراء تابعین کا علم رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ علمی میراث اسی جلیل القدر امام کی طرف منتقل ہو چکی تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی اجتہادات جو تاریخ فقہ اسلامی میں قابل رشک مقام کے حامل ہیں۔ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر شیوخ سے جو کچھ حاصل کیا اسے باقاعدہ ضبط تحریر میں لاکر مدوّن و محفوظ کر دیا۔ (۱۲)

امام محمدؒ کی شخصیت بیدار مغز، ماہرانہ قانونی صلاحیت، حیرت انگیز غور و فکر، استنباط اور امثال و نظائر کی جامع صفات کا مجموعہ تھی، جو حریت فکر کے لیے بے چین اور تقلید و جمود سے اِبا کرتی تھی۔ عقلی و فلسفیانہ اہلیت میں نابغہ روزگار تھی۔ امام محمدؒ نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کوئی تالیف نہیں چھوڑی جس سے معلوم ہو سکے کہ کتاب اللہ کی تفسیر میں ان کا کوئی خاص متعین منہج تھا۔ آپ کی زیادہ تر توجہ علم فقہ اور اس کی تدوین پر مرکوز رہی۔ لیکن بعض واقعات جو قرآن کریم اور امام محمدؒ کی فصاحت و بلاغت کے حوالہ سے منقول ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ امام محمدؒ قرآن کریم کو ایسے محفوظ انداز میں بھرپور طریقہ سے سمجھتے تھے جس کی بنیاد عقل اور نقل دونوں پر تھی۔ نیز یہ کہ اس میں غور و تدبّر کرنے اور اس کا فہم حاصل کرنے

کے لیے کثرت سے تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں امام شافعیؒ کا قول ہے:

لو أشاء أن أقول نزل القرآن بلغة محمد بن الحسن لقلت لفصاحته (۱۳)

''اگر میں یہ کہوں کہ قرآن مجید محمد بن حسن کی لغت میں نازل ہوا ہے تو ان کی بے مثال فصاحت و بلاغت کی وجہ سے میں ایسا کہہ سکتا ہوں''۔

بلاشبہ یہ صلاحیت اس کتاب مقدس کو ہمیشہ مسلسل باقاعدہ کثرت سے پڑھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

امام محمدؒ فرمایا کرتے تھے:

ینبغي لقارئ القرآن أن یفهم ما یقرأ (۱۴) یعنی قرآن پڑھنے والے کو چاہیے کہ قرآن کا جتنا حصہ پڑھے سمجھ کر پڑھے''۔ حقیقت یہ ہے کہ امام محمدؒ اس وقت تک فقہ میں درجہ امامت پر فائز نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ احکامِ فقہیہ کے مصدرِ اوّل (قرآن مجید) پر، اس کے اسلوب، حرام و حلال، اور ناسخ و منسوخ کی حیثیت سے پورا عبور حاصل نہ کر لیتے۔ اسی لیے امام موصوف کے بارے میں مذکور ہے کہ ''وہ کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم تھے''۔ (۱۵)

امام محمدؒ نہ صرف یہ کہ ایک خوبصورت ادبی اسلوب کے مالک تھے۔ بلکہ وہ بنیادی طور پر ایک لغوی بھی تھے۔ اثبات لغت میں آپ کا قول حجت تھا۔ اصمعی اور ابوعبید نے بہت سے مقامات پر آپ کے قول کو اختیار کیا ہے (۱۶) ثعلب کہا کرتے تھے: **محمد عندنا حجة من أقران سیبویه، و کان قوله حجة في اللغة** (۱۷) ''یعنی امام محمدؒ سیبویہ کے ہم پلہ تھے اور ہمارے نزدیک حجت تھے، آپ کا قول لغت میں اتھارٹی ہوا کرتا تھا''۔ امام موصوف کی لغوی مہارت ان کی فقہی تالیفات میں نکھر کر سامنے آئی۔ یہ تالیفات بہت سے مسائل پر مشتمل ہیں جن کی بنیاد اصول لغت اور اس کے قواعد پر ہے۔ بعض اوقات شیخین (ابو حنیفہؒ، ابو یوسف) کے ساتھ آپؒ کے اختلافات کا تعلق ایسے اسباب سے ہوتا ہے جن کا لغت کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔

امام محمدؒ جس طرح عربی لغت کے امام تھے اسی طرح علم حساب و جبرا میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اصول سے فروع نکالنے میں ماہر تھے۔ آپؒ کی کتاب ''الأصل'' یا ''الجامع الکبیر'' کا مطالعہ کر لینا یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ امام صاحب کو مسائل کی صورت گری کرنے اور ان کے احکام بیان کرنے میں گہری مہارت حاصل تھی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ امام محمدؒ کو حسابی حصوں اور ان کی مقداروں پر علمی قدرت حاصل تھی اور مسائل کو فرض کرنے اور ان کی صورت گری کرنے کے لیے انتہا درجہ کی ذہین اور قوی دماغی قابلیت سے ان کو قدرت کی طرف سے نوازا گیا تھا (۱۸)

مختصر یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ ایک معتدل علمی شخصیت کے مالک خوددار، غیور، کلمہ حق کہنے میں

جری، حدیث، فقہ، لغت و ادب کے امام اور عبقری عقلی صلاحیت رکھنے والے ماہر قانون تھے۔ آپؒ نے ایک مقدس مقصد کی خاطر علم دین حاصل کیا اور اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا اور کچھ بچا کر نہ رکھا۔ آپ کے دور کے اجتماعی اور فکری حالات نے علم کے لیے آپ کی پاکیزہ استعداد کے مطابق ابداع و نجاح کے مواقع فراہم کیے۔ آپ نے اپنی مختصر عمر میں وہ بلند پایہ ٹھوس علمی و فقہی کام کیا، جس کو ہماری شاندار فقہی میراث میں بالخصوص اور انسانی ثقافت میں بالعموم قائدانہ مقام حاصل ہے۔

امام محمدؒ کا رنامہ:

بحیثیت فقیہ امام محمدؒ کے بہت سے علمی کارنامے اور فقہی خدمات ہیں۔ (۱۹) جو فقہ حنفی کے لیے مرجعِ اول شمار ہوتی ہیں۔ دراصل آپ کے استادِ گرامی امام ابو حنیفہؒ نے تالیف کتب سے زیادہ اپنے شاگردوں کی تربیت و تیاری پر توجہ دی۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے رسائل ان کی طرف منسوب ہیں۔ جن کا مرکزی موضوع عقیدہ ہے۔

جہاں تک امام محمدؒ کے استاد ثانی امام ابو یوسفؒ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی تالیفات کی تعداد چالیس ہے۔ لیکن ان میں سے ہم تک صرف ''کتاب الخراج'' ''کتاب الآثار'' ''الرد علی سیر الاوزاعی'' اور ''اختلاف أبی حنیفۃ و ابن أبی لیلیٰ'' پہنچی ہیں۔۔۔ جن کا کوئی علمی مقام نہیں ہے۔۔۔ ان کا موازانہ ان کتب سے نہیں کیا جا سکتا جن کو امام محمدؒ نے ہمارے لیے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جو تدوین فقہ کے ضمن میں انجام پانے والی سب سے پہلی علمی خدمت ہیں، اور یہ منہج بالعموم مربوط اور منطقی تسلسل کے ساتھ واقعات کو فرض کرنے اور عقلی انداز میں مسائل کی تفصیل اور فروغ کو بیان کرتے وقت عملی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر مسئلہ کے لیے شرعی حکم ثابت کرنے کے لیے اجتہاد کا رنگ لیے ہوئے ہوتا ہے۔

امام محمدؒ کے اس منہج تدوین فقہ نے فقہی تدوین کو وسعتوں کی ایک نئی جہت عطا کی جو قبل ازیں معروف و مروّج نہ تھی......

امام محمدؒ کی علمی و فقہی خدمات یا ان کی کتب، ثقاہت و اعتماد کے لحاظ سے یکساں درجے کی حامل نہیں ہیں۔ آپ کی بعض کتب، ''ظاہر الروایۃ'' یا ''مشہور الروایۃ'' کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ آپ کی مشہور کتب ہیں جو ثقہ راویوں کے ذریعہ منقول ہیں۔ دراصل یہی کتب مذہبِ حنفی کا اساسی مرجع و ماخذ ہیں۔ آپ کی بعض تصنیفات ''نادر الروایۃ'' کے نام سے معروف ہیں۔ اس لیے کہ پہلی کتب کی طرح یہ آپ کی مشہور و ثقہ روایات نہیں ہیں جو ثقہ راویوں کے ذریعہ آپ سے مروی ہوں۔ اس لیے ثقاہت و اعتماد کے اعتبار سے ان کا معیار اور درجہ کتب ''ظاہر الروایہ'' کو نہیں پہنچتا۔

امام محمد رحمۃ اللہ کی کتب ''ظاہر الروایۃ'' درج ذیل ہیں۔

۱-   المبسوط (الأصل)

۲-   الجامع الصغیر

۳-   الجامع الکبیر

۴-   السیر الصغیر

۵-   السیر الکبیر

۶-   الزیادات

ان کتب کو اصول کا نام بھی دیا جاتا ہے، تاہم ان میں سے بعض کتب کو بعض مؤرخین اور علماء کے نزدیک اصول میں شمار نہیں کیا جاتا۔ (۱۹)

کتب ''نادر الروایة'' یا ''بعض الروایة'' درج ذیل ہیں:

۱-   الرقیات

۲-   الجرجانیات

۳-   الکیسانیات

۴-   ھارونیات

۵-   النوادر

مذکورہ کتب کے علاوہ بھی امام محمدؒ کی تالیفات ہیں، جن کو مؤرخین نے نہ تو کتب ''ظاھر الروایة'' میں جگہ دی ہے اور نہ ہی کتب ''غیر ظاہر الروایہ'' میں مثلاً الآثار، الحجۃ، المؤطا، زیادۃ الزیادات، الاکتساب فی الرزق المستطاب۔ اسی طرح وہ روایات بھی جو امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الأم'' میں امام محمدؒ کی روایات کی حیثیت سے نقل کی ہیں اور ان کو ''الرد علی محمد بن الحسن'' کا نام دیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی چند مؤلفات ہیں جن کی امام محمدؒ کی طرح نسبت میں اختلاف ہے۔ مثلاً کتاب ''الحِیَل''، ''الرضاع'' اور ''العقیدہ''۔

ذیل میں ہم امام محمدؒ کی ان کتب کا تعارف پیش کر رہے ہیں جو مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اور امام محمدؒ کے بلند پایہ فقہی مقام کا بیّن ثبوت ہیں:

۱-   المبسوط (الأصل):

امام محمد رحمہ اللہ کی سب سے ضخیم اور اہم ترین کتاب المبسوط یا الأصل ہے۔ یہ ان کی اوّلین تصنیف ہے۔ (۲۰) امام صاحب نے اپنی تصنیف میں فقہی موضوعات کے لحاظ سے ابواب قائم کرنے کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ جب وہ ہر موضوع کے مسائل مکمل بیان کر چکتے ہیں تو اس کو ''کتاب'' کا نام

دیتے ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الرھن، کتاب الشفعۃ وغیرہ متفرق کتب لکھیں جیسا کہ ابن ندیم نے ''الفہرست'' میں بیان کیا ہے۔ (۲۱) جب ان مختلف موضوعات پر لکھی جانے والی متفرق کتب کو جمع کر کے یکجا کر دیا گیا تو تصانیف کا ایک مجموعہ وجود میں آ گیا جو فقہی ابواب کی تفریعات و تفاصیل پر مشتمل تھا۔ لہذا متفرق کتب کے اس کامل مجموعہ کا نام المبسوط (الأصل) رکھ دیا گیا۔ اسی بنا پر فقہاء دونوں لحاظ سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اسے ایک کتاب سے تعبیر کرتے ہیں (یعنی المبسوط یا الآصل کے نام سے) اور بعض اوقات اسے مجموعہ کتب سے تعبیر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ: امام محمدؒ نے ''کتاب العاریہ'' میں فرمایا، یا امام محمدؒ نے ''کتاب الودیعۃ'' میں فرمایا وغیرہ....... اور اس سے ان کی مراد المبسوط کے مجموعہ کتب میں سے ایک کتاب ہوتی ہے۔ (۲۲) بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کتب مستقل کتاب کے طور پر ہم تک پہنچی ہیں۔ بروکلمان نے امام محمدؒ کی مؤلفات میں سے ''کتاب الصلوٰۃ'' کا ذکر کیا ہے جو آیا صوفیا لائبریری (ترکی) میں نمبر ۱۴۵ کے تحت موجود ہے۔ (۲۳)

امام محمدؒ نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں اختصار کے ساتھ جو بات بیان فرمائی ہے وہ اس کتاب میں ان کے منہج کی پوری وضاحت کر دیتی ہے جو ان کی ماہرانہ فقہی سوچ کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

قد بینت لکم قول أبی حنیفة وأبی یوسف وقولی، ومالم یکن فیه اختلاف فهو قولنا جمیعا ۔''میں نے تمہارے سامنے ابوحنیفہ، ابو یوسف اور اپنے مسلک کی وضاحت کر دی ہے۔ جس مسئلہ میں کسی اختلاف کا ذکر نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ ہم سب کا متفق علیہ مسلک ہے''۔

امام محمدؒ نے ''المبسوط'' میں شیخین (ابوحنیفہ، ابو یوسف) اور اپنے مذہب کے مطابق فروعی مسائل کو بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ابن ابی لیلیٰ، زُفر بن حسن اور اہلِ مدینہ کی آراء کو بھی بیان کیا ہے۔ تاہم اس ضخیم کتاب میں ان حضرات کی آراء کا بہت کم حصہ بیان ہوا ہے۔ امام موصوف بالعموم مذکورہ تمام فقہاء کی آراء اور اپنی خاص آراء کو محض تحریر کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان پر بحث کر کے تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔ اس کے بعد یا تو ان کو قبول کر لیتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔

امام محمدؒ اپنے مناقشات اور تعلیلات کے دوران اس حکم کی وجہ بیان کرنے کے لیے جس کو وہ مناسب سمجھتے ہیں، نظائر و اَشباہ لانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہی منہج و اسلوب آپؒ کی تمام تصنیفات میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

اس کتاب کی اتنی بڑی ضخامت کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ جن فقہی فروع پر مشتمل ہے ان کی

غالب اکثریت فرضی مسائل پر مبنی ہے۔ دوسری صدی ہجری میں فقہ تقدیری (فرضی مسائل پر مشتمل فقہ) کا ارتقاء ہوا، جس کا آغاز پہلی صدی ہجری کے اواخر سے ہو چکا تھا۔ خاص طور پر عراق میں اس کا چلن عام ہوا۔ امام ابوحنیفہ اپنے ہمعصر فقہاء میں سب سے زیادہ فرضی مسائل پر توجہ دیتے اور ان کے وقوع پذیر ہونے کا اندازہ کر کے ان کے احکام بیان کرتے۔ (۲۴)

چونکہ امام محمدؒ نے المبسوط اپنے شاگردوں کو إملاء کرائی تھی، اس لیے آپؒ کے بہت سے شاگردوں نے اس کو روایت کیا اور اس کے متعدد نسخے وجود میں آئے۔ تاہم ان میں سے مشہور ترین نسخہ وہ ہے جسے ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی نے روایت کیا ہے۔ (۲۵) اور صاحبِ مفتاح السعادۃ کے بقول: ہمارے ہاں امام محمد کی ''الأصل'' (المبسوط) کا موجودہ نسخہ جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔ (۲۶)

المبسوط کے متعدد نسخوں، اس کے راویوں کی کثرت، نیز اس کو ضبط تحریر میں لانے والوں کی بہتات کے سبب یہ کتاب بے ترتیبی، اضطراب اور لغوی اغلاط سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اور یہ سب امام سرخسیؒ کے بقول: کاتب کی کارستانی ہے۔ (۲۷)

المبسوط کا ایک نسخہ ''دارالکتب المصریۃ'' میں زیر نمبر ۲۰۰/قولہ، موجود ہے اور خوبصورت خطِ نسخ میں لکھا ہوا ہے جو ابوسلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے اس کے علاوہ اس نسخہ کے کچھ اجزاء ''مکتبۃ الأزھریہ'' میں زیر نمبر (۲۰۲) ۴۲۸۰ موجود ہے۔ اور ایک نسخہ جس میں بہت کمی ہے ''دارالکتب المصریۃ'' میں بھی زیر نمبر ۳۴/فقہ حنفی، موجود ہے۔ تاہم المبسوط کا اہم ترین اور قدیم ترین نسخہ ترکی میں موجود ہے۔ ترکی کی لائبریریوں میں اس کے تیس سے زائد قلمی نسخے ہیں جن میں سے کچھ مکمل ہیں اور کچھ ناقص ہیں۔ ''مراد مُلا لائبریری'' میں موجود اس کتاب کا قلمی نسخہ کامل ترین شمار کیا جاتا ہے جو آٹھ جلدوں میں دو ہزار تین سو ستر اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک خاص حصہ جو ''بیوع'' اور ''سلم'' پر مشتمل ہے، مصر میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر شفیق شحاتہ کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ یونیورسٹی نے اسے شائع کیا ہے۔ اب دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد (انڈیا) اس پوری کتاب کو شائع کرنے کی ذمہ داری انجام دے رہا ہے۔ (۲۸)

بہر حال امام محمدؒ کی کتاب المبسوط، اسلام اور علماءِ اسلام کے قابلِ فخر کارناموں میں سے ایک ہے۔ یہ اوّلین کتاب ہے جو تمام فقہی ابواب کی جامع ہے، اور ایسے منہج کی حامل ہے جو اس سے قبل کسی نے نہیں اپنایا۔ اس کو مذہب حنفی میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ متقدمین احناف کے نزدیک اس کتاب کو یاد کیے بغیر کوئی عالم مرتبہ اجتہاد پر فائز نہیں ہو سکتا تھا۔ (۲۹) امام محمدؒ کے بعد فقہ حنفی پر لکھنے والا

ہر شخص اس کتاب کا محتاج رہا ہے۔ بعد میں آنے والے اسی کتاب کو خوشہ چینی کرتے رہے اور اسی کے منہج سے رہنمائی لیتے رہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال امام سرخسی کی ''مبسوط'' ہے۔ امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب ''مبسوط'' میں جو کتب ظاہر الروایہ کی شرح ہے اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے، الأصل (المبسوط) کو بنیاد بنایا ہے۔ وہ بہت سے مقامات پر اسی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اسی کے آثار نقل کرتے ہیں، فصلوں اور ابواب کی ترتیب میں اسی کے منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ (۳۰)

فقہ اسلامی میں اس اوّلین پیش رو کتاب کے اسی مقام کی وجہ سے علماء کی کثیر تعداد نے اس کی شرح اور تلخیصات لکھی ہیں۔ (۳۱)

۲۔ الجامع الصغیر:

امام محمدؒ کی دوسری کتاب ''الجامع الصغیر'' ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ کتاب انہوں نے اپنے استاد ابو یوسفؒ کی درخواست پر لکھی تھی۔ کیونکہ جب آپ ''المبسوط'' کی تالیف سے فارغ ہوئے تو امام ابو یوسفؒ نے ان سے فرمائش کی کہ اب وہ ایک ایسی کتاب تالیف کریں جس میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت کردہ امام ابو یوسفؒ کی وہ مرویات جمع کر دیں جو امام محمدؒ نے امام ابو یوسف سے یاد کی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے امام محمد سے اس کتاب کے تالیف کرنے کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کو توقع تھی وہ ان سے ایک کتاب روایت کریں گے۔ (۳۲)

امام محمدؒ نے اگرچہ اس کتاب کو بواسطہ ابو یوسف، امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں ایک سو ستر اختلافی مسائل بھی بیان کیے ہیں۔ (۳۳)

الجامع الصغیر ساری کی ساری فروعی مسائل پر مشتمل ہے جن کی تعداد ایک ہزار پانچ سو بتیس (1532) ہے۔ یہ کتاب مکمل طور پر دلائل سے خالی ہے۔ (۳۴)

بعض فقہاء نے اس کتاب کے مسائل کو تین اقسام میں منحصر قرار دیا ہے:

قسم اوّل: ایسے مسائل جو اس سے قبل بیان نہیں ہوئے اور سوائے الجامع الصغیر کے کہیں بیان نہیں ہوئے۔ تاہم ایسے مسائل کی تعداد بہت کم ہے۔

قسم دوم: ایسے مسائل جو اس سے قبل المبسوط میں بیان ہو چکے ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کی طرف ان کی نسبت کی تحقیق کی خاطر انہیں دوبارہ الجامع الصغیر میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ المبسوط میں ان مسائل کا جواب دیتے ہوئے یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ جواب امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق ہے یا کسی اور کے قول کے مطابق۔

قسم سوم: ایسے جو المبسوط میں ایک انداز میں بیان ہو چکے ہیں مگر الجامع الصغیر میں امام محمدؒ نے ان کو

ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے۔(۳۵) امام صاحبؒ نے اس کتاب میں ترتیب و تبویب کا وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جو المبسوط میں اختیار کیا ہے۔

یہ کتاب ضخامت کے لحاظ سے چھوٹی ہونے کے باوجود مذہب حنفی میں نمایاں علمی قدر و منزلت کی حامل نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ..... چند ابواب میں امام زُفر کی آراء کے اشارات کے ماسوا..... صرف شیخین (ابو حنیفہ، ابو یوسف) اور محمدؒ کی فقہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر امام ابو یوسف اکثر اس کو دیکھا کرتے تھے اور اپنے سفر و حضر میں اس کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ مشائخ احناف کسی پر منصب قضاء کی ذمہ داری نہیں ڈالتے تھے جب تک کہ وہ اس کتاب کا حافظ نہ بن جاتا۔ اس لیے کہ اس کے مسائل بنیادی قسم کے ہیں۔ لہذا جس نے اس کے مسائل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی وہ بلند پایہ فقیہہ بن گیا، فتویٰ اور منصبِ قضاء کا اہل بن گیا۔(۳۶)

اس کتاب کی علمی قدر و قیمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ علماء نے اس پر خاص توجہ دی۔ بعض نے اس کو مرتب کیا۔ بہت سوں نے اس کی شروح لکھیں۔ کشف کے مصنف نے اس کے تیس سے زائد شارحین کا تذکرہ کیا ہے۔(۳۷) لکھنوی نے النافع الکبیر میں ایک پوری فصل اس کتاب کے شارحین، مرتبین اور منظمین سے متعلق لکھی ہے، جس میں تیس کے قریب علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس کی شرحیں لکھیں، ترتیب دی اور تبویب کا کام انجام دیا۔(۳۸)

امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے عیسیٰ بن اَبان (متوفی ۲۲۱ھ) اور محمد بن سماعہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کی روایت کردہ الجامع الصغیر مصر، ہندوستان اور ترکی میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔(۳۹)

۳۔ الجامع الکبیر:

امام محمدؒ کی تیسری کتاب الجامع الکبیر ہے جو ان کی نامور کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے ایجاز و اختصار کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی وجوہِ تفریع سمجھنے میں مشکل آتی ہے اور جب تک ان کی وضاحت نہ کی جائے سمجھ میں نہیں آتیں۔(۴۰)

امام محمدؒ اپنی اس تالیف میں بالغ النظر فقیہہ اور ماہر لغوی نظر آتے ہیں۔ مسائل و روایات ایسی عمدہ ترتیب اور محکم عبارت میں پیش کرتے ہیں جس میں بے مقصدیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ لغوی قواعد اور فقہی احکام کے درمیان مہارت اور کمال کے ساتھ ایسا منطقی ربط پیدا کر دیتے ہیں، جس کو دیکھ کر ابو علی فارسی اور اخفش جیسے ائمہ لغت، عربی زبان سے مکمل موافقت کی بنا پر الجامع الکبیر کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس کتاب کا مؤلف فقہ و لغت ہر دو علوم

میں بیک وقت امامت کے درجہ پر فائز ہے۔(۴۱)

چونکہ الجامع الکبیر کے مسائل انتہائی دقیق اور ان کی تخریج انتہائی دشوار ہے اس لیے بہت سے ائمہ فقہ نے اس کی شرحیں لکھیں ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کی شروح کی تعداد تراسی (۸۳) بیان کی ہے، جن کی تلخیصات، منظومات اور شروح ان کے علاوہ ہیں۔

یہ کتاب اس لحاظ سے فقہی استدلال سے خالی ہے کہ اس میں قرآن وسنت سے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی، اور نہ اس میں قیاس کے توضیحی وتفصیلی طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے بعض شارحین نے اس کے مسائل کو ان کے اصول وقیاسات کی طرف لوٹانے اور ان کے مطابق پیش کرنے کی اپنی سی سعی کی ہے تاکہ ان مسائل کی معرفت اور وجوہِ تفریع کو سمجھنا آسان ہو جائے۔(۴۲)

الجامع الکبیر ایجاد واختراع کا عجیب نمونہ ہے جو قواعد لغت اور اصولِ حساب کے مطابق تفریع مسائل کے انتہائی دقیق علم پر مشتمل ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے اصول کی باریکیوں پر مشتمل مسائل تو ان کے علاوہ ہیں۔

الجامع الکبیر کو امام محمدؒ کے درج ذیل شاگردوں نے ان سے روایت کی ہے: ابوحفص الکبیر، ابوسلیمان جوزجانی، ہشام بن عبیداللہ رازی، محمد بن سماعہ، علی بن معبد بن شداد وغیرھم، لجنۃ إحیاء المعارف النعمانیۃ (انڈیا) نے ابوالوفا افغانی کی تحقیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

۴، ۵- السیر الصغیر، السیر الکبیر

اسلام کے بین الاقوامی قانون پر سب سے پہلی کتاب اور اس کا سبب تالیف:

اسلام کے بین الاقوامی قانون پر سب سے پہلی کتاب جو عالمِ وجود میں آئی ہے۔ وہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمدؒ کی ''السیر الکبیر'' ہے۔ اس کتاب کا ظہور دراصل ''طیش'' کا شرمندۂ احسان ہے۔ طیش بلاشبہ ایک ناپسندیدہ صفت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بعض اوقات ناپسندیدہ چیز کے بطن سے خیر کثیر برآمد کرتا ہے۔ خیال فرمایئے! ایک مسلمان فقیہہ دوسرے مسلمان فقیہہ کے ایسے الفاظ پر طیش میں آجاتا ہے۔ جو مؤخرالذکر کی طرف سے اول الذکر کے حق میں تنقیص کے انداز میں کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ طیش یا گرمی جذبات اس کے اندر ذاتی کینہ یا حسد یا اسی قبیل کے دیگر سفلی جذبات مشتعل نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر عمل بالخیر کا داعیہ تیز تر کر دیتی ہے۔ اور اسے ایک ایسی ٹھوس اور مضبوط کتاب کی تصنیف پر لگا دیتی ہے، جس سے وہ عالم مذکور کو اپنے الفاظ واپس لینے پر مجبور کر سکے۔ چنانچہ وہ اس کتاب کی تصنیف میں ہمہ تن منہمک ہو جاتا ہے اور آخر کار جامعیت وخوبی کے ہر ممکن تصور کے ساتھ یہ کتاب منظر عام پر آجاتی ہے۔ جس میں اسلامی نقطہ نظر سے اسلام کے فلسفہء جنگ اور تعلقاتِ خارجہ پر روشنی ڈالی جاتی

ہے۔ اور اس موضوع کی گرہ کو خوش اسلوبی سے سلجھایا جاتا ہے۔ ایک طرف یہ تمام بحث اسلامی حدود کے اندر پوری آزادیٔ فکر ونظر پر مبنی ہوتی ہے اور دوسری طرف ہر بات کا استناد اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کیا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حسنِ تدبّر، وسعت نظر، وفورِ علم اور عُمقِ تفقہ کا بحرِ بےکراں محوِ تلاطم ہے۔

دراصل ''السیر الکبیر'' سے پہلے امام محمدؒ نے ''السیر الصغیر'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں مختصراً تعلقاتِ خارجہ جنگ اور صلح وامان کے بارے میں اسلامی احکام بیان کیے تھے۔ یہ کتابچہ (الصغیر) جب شام کے نامور محدث امام اوزاعی کے ہاتھ لگا تو امام موصوف نے دریافت فرمایا کہ: یہ کس کی تصنیف ہے؟ لوگوں نے بتایا: ''یہ محمدؒ بن حسن عراقی کا نتیجہ فکر ہے''۔ اس پر امام اوزاعیؒ نے کہا: اہلِ عراق کو اس موضوع سے کیا واسطہ؟ ان کو سِیَرَ (جنگ کے مسائل) کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے غزوات کا رخ شام وحجاز کی طرف رہا ہے نہ کہ عراق کی طرف۔ یہ ملک (عراق) تو بعد میں فتح ہوا ہے۔ امام اوزاعی کے یہ الفاظ جب امام محمدؒ بن حسن عراقی کے کانوں تک پہنچے تو آپ بہت متاثر ہوئے اور سِیَرَ کے موضوع پر ایک مفصل اور جامع کتاب لکھنے کا عزم کر لیا۔ اور جب تک اس کتاب سے فارغ نہیں ہو گئے اور کسی شغل کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ''السیر الکبیر'' آپؒ کی اسی دوسری کاوش کا نام ہے۔

''السیر الکبیر'' کا بھی ایک نسخہ امام اوزاعیؒ تک پہنچ گیا۔ امام محترم نے جب اس کا مطالعہ کیا اور اس کے تمام مسائل کو بغور جائزہ لیا تو مصنف کی جہدِ عظیم اور طبعِ رسا پر انگشت بدنداں رہ گئے اور فرمایا: اگر کتاب میں جابجا احادیث سے استناد نہ کیا گیا ہوتا تو میں کہہ اٹھتا کہ مصنف اس علم (بین الاقوامی قانون) کا خود واضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مصنف کی نگاہ کو سمتِ حق پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ وفوق کل ذی علم علیم۔ (ہر ذی علم پر ایک بالاتر صاحب علم موجود ہے)۔ (۴۳)

رومی قانون دانوں پر سبقت:

امام محمدؒ بن حسن شیبانی دوسری صدی کے علماء میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نامور شاگردوں میں سے ہیں۔ چار سال تک اپنے استاد کی صحبت میں رہے اور پھر امام ابو یوسف سے انہوں نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس کی تکمیل کی ہے۔ امام محمدؒ کی یہ کتاب بلا اختلاف اسلام کے قانون صلح وجنگ اور تعلقاتِ خارجہ کا مایہ ناز مرجع سمجھی جاتی ہے بلکہ یہ اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے پہلی تصنیف شمار ہوتی ہے۔ اس سے پہلے بین الاقوامی قانون پر کسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ سترہویں صدی میں یعنی امام محمدؒ بن حسن شیبانی کے کئی صدیاں بعد گروٹیوس نے بین الاقوامی قانون پر ایک کتاب لکھی جسے اہلِ

مغرب کے نزدیک دنیائے قانون میں بین الاقوامی قانون کا نقطہء آغاز قرار دیا جاتا ہے، اور گروٹیوس کو بین الاقوامی قانون کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ لہذا امام شیبانی پوری دنیا میں بلا اختلاف بین الاقوامی قانون کے مؤسس اور بانی ہیں۔

امام شیبانی کا صرف اتنا ہی احسان نہیں ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون پر لکھنے والی اولین شخصیت ہیں بلکہ ان کا فضل وکمال قانونی فکر کے میدان میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ بین الاقوامی قانون امام محمدؒ کے تحریر کردہ قانون بین الاقوام (السیر الکبیر) کے مقابلہ میں کسی بھی طرح جدید نہیں ہے۔

اس علمی وتاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے فرانس کے ماہرین قانون نے ۱۹۳۲ء میں امام محمد بن حسن شیبانی کی یاد میں ''شیبانی سوسائٹی برائے قانون بین الاقوام'' قائم کی۔ پھر انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جرمنی کے ماہرین قانون نے پہلے جرمنی میں اور بعد میں ہالینڈ میں ''شیبانی بین الاقوامی قانون سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی۔ یہ سوسائٹی دنیا بھر کے مختلف ممالک کے ماہرین بین الاقوامی قانون اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں پر مشتمل ہے۔ اس کی سربراہی کے لیے عظیم مصری فقیہہ (قانون دان) مرحوم عبدالحمید بدوی کو منتخب کیا گیا تھا۔ (۴۴)

السیر الکبیر کی شرح:

''السیر الکبیر'' کو عالم وجود میں آئے ہوئے جب تقریباً تین صدیاں گذر گئیں تو اس کتاب کی عزت وتوقیر میں مزید اضافہ یہ ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کے ایک جلیل القدر عالم نے اس کی شرح املاء کی۔ یہ عالم شمس الأئمہ محمد بن احمد سرخسی ہیں۔ جو اپنی تصنیف ''المبسوط'' کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں۔ شمس الأئمہ سرخسی نے السیر الکبیر کی یہ شرح کسی دارالعلوم یا کسی کتب خانہ میں بیٹھ کر نہیں لکھی ہے بلکہ انہوں نے محض اپنے حافظہ کی مدد سے قید خانے کی تاریکیوں میں املاء کرائی ہے۔

شارح کی داستانِ عزیمت وابتداء:

السیر الکبیر کی شرح کا تعارف اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک شارح شمس الأئمہ سرخسیؒ کے حوالہ زنداں ہونے کا پس منظر معلوم نہ ہو جائے۔ پانچویں صدی ہجری میں ماوراء النہر میں خاقان کی حکومت تھی۔ خاقان نے ایک آزاد شدہ لونڈی سے عدت ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیا۔ خاقان اس پر غیر معمولی حد تک فریفتہ ہو چکا تھا، اس لیے اسے زمانہ عدت کا انتظار شاق گذر رہا تھا۔ شمس الأئمہ کو جب ایک شرعی حکم کی پامالی کی خبر پہنچی تو انہوں نے سلطان خاقان کی اس حرکت پر سخت گرفت کی اور اسے شریعت کی خلاف ورزی پر محمول کیا۔ خاقان نے اگر اتباع ہوٰی کا مظاہرہ کیا تھا تو ایک غیور عالم

اسے کیونکر برداشت کرسکتا تھا۔امام سرخسی نے بلا خوف ملامت اس نکاح کے ازروئے شریعت حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ ہوا پرست حکمران کی طرف سے اس جرأت کا جواب یہ تھا کہ فقہ اسلامی کے اس رکنِ رکین اور علم وفضل کے اس بحرِ ذخار کو پندرہ (۱۵) سال کے لیے ''آوزجند'' کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا گیا لیکن تشنگانِ علم کا رجوع امام موصوف کی طرف برابر جاری رہا۔ شاگردوں کا حلقہ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ جاتا اور اندر سے امام محترم کے علم وعرفان کا بحرِ بے کراں موجزن ہو جاتا، اور جو کچھ وہ بولتے جاتے شاگرد اسے لکھتے جاتے۔ فقہ حنفی کی جلیل القدر کتاب ''المبسوط'' کی پندرہ جلدیں اور السیر الکبیر کی مفصل و جامع شرح اسی قید کے زمانے کی تصنیفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور شارح دونوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ اس لحاظ سے السیر الکبیر صرف جہاد بالسیف کا مضمون ہی پیش نہیں کرتی بلکہ یہ کتاب اپنے پس منظر میں جہاد بالنفس، جہاد بالعلم اور جہاد بالحق کی متعدد داستانیں بھی رکھتی ہے۔ کتاب کے الفاظ تو صرف یہ بتاتے ہیں کہ اسلامی حکومت کو بیرونی ممالک اور غیر مسلم رعایا سے تعلقات استوار کرنے کے لیے کن کن اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مگر ایک طرف صاحب کتاب کی روح بین السطور میں یہ پیغام دے رہی ہے کہ جذبات کی گرمی کو آلہ شہ نانے کی بجائے آلہ خیر بھی بنایا جا سکتا ہے اور دوسری طرح شارحِ کتاب کا زندہ جاوید کارنامہ علماءِ حق کو یہ درس دے رہا ہے کہ ایک علم بردارِ شریعت کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اگر اربابِ اقتدار اللہ کی شریعت کو اپنی اہواوخواہشات پر قربان کر رہے ہوں تو منقارِ زیرِ پر رہنے کے بجائے حق بات کو کھلم کھلا بیان کر دینا چاہیے خواہ اس کی پاداش میں اندھے کنوؤں کی نذر ہونا پڑے، خواہ تختہءدار پر کھنچ جانا پڑے۔

حق گوئی وبے باکی اے ہمتِ مردانہ .... یوں ہاتھ نہیں آتا دہ گوہر یک دانہ

کتاب کا قبولِ عام:

''السیر الکبیر'' اور اس کی شرح ہر دور میں ملتِ اسلامیہ کے اہتمام وشغف کا مرکز رہی ہے۔ جب یہ کتاب لکھی گئی تھی تو ہارون الرشید نے اسے دیکھ کر نہ صرف مسرت کا اظہار کیا تھا بلکہ اسے اپنے عہد کا قابلِ فخر تحفہ قرار دیا اور اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کتاب کے سماع کے لیے امام محمدؒ کی مجلسِ علم میں حاضر ہوتے رہنے کا حکم دیا۔ بعد میں اس کتاب کو دولتِ عثمانیہ کے خلفاء نے سلطان محمود کے عہد سے ممالک یورپ کے خلاف اپنی طویل جنگوں میں احکام جہاد کی اساس اور مرجع قرار دیے رکھا اور اَمان وصلح کے تمام معاملات اس کتاب کی روشنی میں طے ہوتے رہے۔ ''السیر الکبیر'' پر کچھ عرصہ ایسا بھی گذرا جب کہ یہ ملتِ اسلامی کی نگاہوں سے اوجھل رہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو حیاتِ ثانیہ بخشی اور ایک مسلمان فقیہہ عبدالحمید بدوی مصری کو اس طرف راغب کیا۔ موصوف نے اس کا صحیح

ترین نسخہ تلاش کرنے کے بعد اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ چنانچہ اس کوشش کے نتیجے میں بین الاقوامی قانون سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ مغرب کی ایک جماعت نے بھی اپنی توجہات کو اس پر مرکوز کر دیا اور اس کتاب کے مطالعہ و تحقیق کے لیے ''گوٹنگن'' (جرمنی) میں مصنف کی کتاب کی نسبت سے ایک انجمن وجود میں آ گئی۔ جس کا نام ''انجمن شیبانی برائے انٹرنیشنل لاء'' رکھا گیا اور ڈاکٹر عبدالحمید بدوی اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے۔ عرب لیگ کے شعبہ مخطوطات کے ڈائریکٹر جناب صلاح الدین المنجد کی کوششوں سے کتاب تحقیق و ترتیب کے نئے لباس میں ملبوس ہو کر اشاعت پذیر ہوئی۔ اس نئے ایڈیشن کی خوبی یہ ہے کہ اس کا موازنہ بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے مخطوطے سے بھی کر لیا گیا ہے۔ جو اس کی شرح کا قدیم ترین مخطوطہ ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی وفات ۴۹۰ھ میں ہوئی ہے اور مذکورہ مخطوطہ ۶۳۱ھ میں لکھا گیا ہے۔ عرب لیگ اور اس کے فاضل ڈائریکٹر دونوں اس قابلِ قدر خدمت پر پوری ملت اسلامی کی طرف سے شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ (۴۵)

کتاب کے مباحث:

''السیر الکبیر'' میں امام محمدؒ نے جہاد و غزا، سرحد تحفظات، امان، معاہداتِ صلح، فسخِ معاہدات کے احکام، اموال غنائم، جنگی قیدیوں کے احکام، مفتوح علاقوں کے احکام، ثالثی ٹریبونل، اسلحہ جنگ کے بارے میں شرعی ہدایات، جہاد اسلامی کے حدود و آداب اور اسی قبیل کے دوسرے سینکڑوں مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور انہیں بڑی قانونی حکمت، دقتِ نظر اور معنی خیز ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ قرآن و حدیث کے دائرے میں رہتے ہوئے فقہی نقطۂ نظر کو اسی اسلوب اور مزاج کے ساتھ واضح کیا ہے جو عراقی سکول کی خصوصیات میں سے ہے۔

علی ہذا القیاس یہ کتاب تمام بین الاقوامی مسائل و قوانین کا ایک نہایت جامع اور حکمت آمیز دفتر ہے۔ السیر الکبیر کی شرح ۱۳۳۶ھ میں چار جلدوں پر مشتمل حیدر آباد (انڈیا) سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تین اجزاء (جلدیں) ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ عرب لیگ کے شعبہ مخطوطات نے شائع کیے ہیں جو ان تمام اغلاط سے پاک ہیں جو حیدر آباد سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں پائی جاتی ہیں۔

جامعہ قاہرہ (مصر) نے اس شرح کا پہلا جزء شیخ ابوزہرہ اور استاذ ڈاکٹر مصطفیٰ زید کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے، مگر اس کے باقی اجزاء کی طباعت جاری نہ رکھی جا سکی۔ (۴۶)

۶- الزیادات:

امام محمدؒ کی تحریر کردہ چھٹی کتاب ''الزیادات'' ہے۔ جو مذکورہ کتب میں بیان کردہ مسائل سے

کچھ اضافی مسائل پر مشتمل ہے۔(۴۷) بعض مؤرخین ان مسائل کو المبسوط کے اضافی مسائل قرار دیتے ہیں۔(۴۸) جبکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ الجامع الکبیر کے اضافی مسائل ہیں۔(۴۹) راجح بھی یہی ہے کیونکہ الزیادات میں امام محمدؒ کا منہج بالکل وہی ہے جو الجامع الکبیر میں ان کا منہج ہے۔ چنانچہ وہ مسائل کو دقیق و پیچیدہ عبارت میں ان کے دلائل بیان کیے بغیر لاتے ہیں۔ نیز الزیادات کا سبب تالیف بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ: امام ابو یوسفؒ نے اپنی ایک مجلس املاء میں دقیق فروع کو تفریع کرنے کے بعد فرمایا: ان مسائل کی تفریع محمدؒ کے لیے مشکل ہے۔ جب یہ بات امام محمدؒ کو پہنچی تو انہوں نے الزیادات تالیف کی تاکہ یہ اس بات کی حجت ہو کہ ان جیسے اور ان سے بھی ادق مسائل کی تفریع ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔(۵۰)

بعض علماء، کتاب الزیادات کو کتب ظاہر الروایہ کے بجائے النوادر، میں شمار کرتے ہیں۔ مگر علماء کی اکثریت اسے کتب ظاہر الروایہ میں ہی شمار کرتے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے۔(۵۱)

کتاب الزیادات کبھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دار الکتب المصریۃ میں موجود ہے جبکہ چار نسخے ترکی کی لائبریریوں آیا صوفیا، لالہ لی، فاتح اور جامع میں موجود ہیں۔(۵۲) اس کتاب کا پہلا جزء، مکتبہ وطنیہ تیونس میں موجود ہے۔(۵۳) اس کتاب کی متعدد شروح ہیں۔ ان میں امام سرخسی، احمد بن محمد بخاری عقابی، اور فخر الدین حسن بن منصور قاضیخان کی شرحیں قابل ذکر ہیں۔(۵۴)

۷- زیادۃ الزیادات:

امام محمدؒ کی ایک کتاب ''زیادۃ الزیادات'' کے نام سے موجود ہے۔ جو ان بعض مسائل کا استدراک ہے جو ''الزیادات'' میں بیان ہونے سے رہ گئے تھے۔ یہ کتاب حیدر آباد (انڈیا) سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے قلمی نسخے ترکی، قاہرہ، دمشق اور ڈبلن میں موجود ہیں۔(۵۴)

۸- الأ ثار:

امام محمدؒ نے اہلِ عراق کے پاس موجود سنن اور اخبار ماثورہ کو امام ابوحنیفہ سے روایت کر کے اپنی کتاب ''الأ ثار'' میں جمع کر دیا ہے۔ وہ اپنی اکثر مرویات کا امام ابو یوسفؒ کی کتاب الأ ثار کے ساتھ موازنہ کرتے تھے۔ یہ دونوں کتابیں ''مسند ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔(۵۵)

ہندوستان سے شائع ہونے والے کتاب ''الأ ثار'' کے نئے ایڈیشن کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ: امام محمدؒ نے اس کتاب میں اپنے مذہب، اپنے شیخ کے مذہب اور ان سے اپنے اختلافی مسائل میں اختلاف کے بیان کا اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے، کتاب الأ ثار بہت زیادہ مفید بن گئی ہے۔ اور امام محمدؒ

کی طرف اس کی نسبت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مؤطا امام مالکؒ کی ان کی طرف نسبت کو حاصل ہے۔(۵۶)

اس کتاب میں امام محمدؒ کا منہج سنن، اخبار اور آراء صحابہ وتابعین بالخصوص ابراہیم نخعی کی آراء کو فقہی ابواب کے مطابق بیان کرنے پر قائم ہے۔ تاہم بعض غیر فقہی ابواب بھی اس میں شامل ہیں۔

کتاب الآثار میں بیان کردہ احادیث میں سے کچھ مسند ہیں۔ کچھ مُرسل ہیں اور کچھ مقطوع ہیں۔ امام محمدؒ ان احادیث واخبار کو محض بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ جس رائے کو اختیار کرتے ہیں یا جس کی مخالفت کرتے ہیں اس کو بھی واضح کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو بیان کرنے کے بعد بعض فقہی صورتوں اور مسائل کی تفریع کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ آپ کے اخذ کردہ نتائج کبھی بھی حدیث کے مشکل اور غیر واضح الفاظ کی شرح سے باہر نہیں ہوتے۔ اگرچہ یہ پوری طرح ایک فقہی حکم نہیں ہوتا۔(۵۷)

اگر کتاب الآثار امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر ایک قابل اعتماد علمی دستاویز ہے جو احادیث وآثار کے بارے میں آپ کی وسیع معرفت کی آئینہ دار ہے۔ تو امام محمدؒ کی نسبت کے حوالہ سے بھی اس کی یہی حیثیت ہے اور دوسری صدی ہجری کی کتب حدیث میں خاص مقام کی حامل ہے۔ کتاب الآثار ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد ''لجنۃ إحیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد، تحقیق کے ساتھ اس کی اشاعت کی ذمہ داری انجام دے رہی ہے جو تعلیقات اور مفید حواشی کی وجہ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کے دس سے زائد نسخے ٹرکی کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔(۵۸)

۹- الموطا

عہد مہدی کے اوائل میں امام محمدؒ کے، امام مالکؒ کی طرف سفر کر کے مدینہ پہنچنے کا فائدہ یہ ہوا کہ امام محمدؒ کی دو اہم ترین تالیفات، مؤطا ''امام مالک بروایت امام محمدؒ (مؤطا امام محمدؒ) اور ''الحجۃ'' یا ''الحج'' منظر عام پر آئیں۔ جو امام محمدؒ کے دور میں اہل عراق اور اہل حجاز کے درمیان اتصال فکری و علمی کے سنہری سلسلہ کا عمدہ نمونہ ہیں۔ یہ دونوں کتابیں فقہِ مقارن (تقابلی اسلامی قانون) پر تالیف ہونے والی کتب میں سرفہرست ہیں۔ جن میں امام محمدؒ صرف رائے کا دفاع کرتے ہیں نہ کہ رائے کے قائل کا۔

مؤطا امام مالکؒ کی اولین تالیف ہے جو بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت نسبت کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ یہ بیک وقت حدیث اور فقہ کی کتاب ہے۔ جس میں امام مالکؒ نے فقہ مدنی اور اس کی

اساس، جس پر وہ قائم ہے یا احادیث و آراء صحابہ و تابعین کی صورت میں، اس کے دلائل جمع کرد یے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عملِ اہل مدینہ اور ان کی اجتہاد آراء کو بیان کیا ہے۔ (۵۹)

مؤطا امام مالکؒ کے مکمل روایات پر مشتمل چار نسخوں میں سے تین شائع ہو چکے ہیں اور ایک ابھی قلمی صورت میں موجود ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا۔ یہ قلمی نسخہ سوید بن سعید حدثانی کا روایت کردہ ہے جو مکتبہ ظاہر دمشق میں موجود ہے اور اس سے نقل شدہ ایک نسخہ تیونس میں ہے۔ جو تین نسخے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں:

۱-مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی مصمودی اندلسی

۲-مؤطا بروایت محمد بن حسن شیبانی

۳-مؤطا بروایت یحییٰ بن بکیر

ان مطبوعہ نسخوں میں سے مشہور و متداول، اہلِ مغرب کے ہاں مؤطا یحییٰ لیثی ہے اور اہل مشرق کے ہاں مؤطا محمدؒ ہے۔ مؤطا بروایت امام محمدؒ بعض ابواب کی تعداد اور احادیث کی مقدار کے لحاظ سے، مؤطا بروایت لیثی کے مقابلہ میں کم ضخیم ہے اور دونوں نسخوں میں تقریباً 1/3 کی نسبت ہے۔ مؤطا امام محمد تمام نسخوں سے عمدہ ترین شمار ہوتا ہے۔ (۶۰)

امام محمدؒ نے اپنے روایت کردہ مؤطا میں صرف امام مالک سے روایت کردہ روایات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے علاوہ دیگر روایات بالخصوص علماء حجاز و عراق سے سماعت کردہ روایات کا بھی اس میں اضافہ کیا ہے۔ ان روایات کا اکثر حصہ ان کی اپنی رائے سے متعلق ہے خواہ وہ امام مالکؒ اور دیگر علماء کے مخالف ہو یا موافق۔

مؤطا میں امام محمدؒ کی تعلیقات، دقت نظر اور اختصار کی وجہ سے امتیازی شان رکھتی ہیں۔ آپ نے تعصب اور تنگ نظری سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی بعض آراء میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے ہوئے امام مالک یا دیگر فقہاء مدینہ کی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ امام محمد مجتہد مطلق تھے نہ کہ مجتہد منتسب۔

مذکورہ خوبیوں کی بدولت مؤطا امام محمد ایک ایسا کارنامہ بن گیا جس کو اس سے قبل کسی نے انجام نہیں دیا تھا۔ اور یہ مذاہب فقیہہ کی نشو و ارتقاء کے زمانہ میں فقہِ مقارن کی امین و صادق صورت لیے ہوئے تھا۔ (۶۱)

مؤطا امام محمدؒ ہندوستان میں شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد تحقیق شدہ ایڈیشن کی صورت میں مصر میں شائع ہوا ہے۔ ترکی کی لائبریریوں میں اس کے نو قلمی نسخے موجود ہیں۔ (۶۲)

۱۰- ''الحجة''یا''الحجج''

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحجة''یا''الحجج''میں اہل کوفہ اور اہلِ مدینہ سے درمیان بڑے بڑے اختلافی مسائل کو بیان کیا ہے۔کتاب الصلوٰت والمواقیت سے آغاز کیا ہے اور کتاب الفرائض پر اختتام۔

اس کتاب کا منہج اور اسلوب تحریر یہ ہے کہ ہر باب کے آغاز میں امام موصوف اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کی رائے کو بیان کرتے ہیں، اس کے بعد اہل مدینہ کی رائے اور ان کے دلائل کو بیان کرتے ہیں۔پھر ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔اگر ان (اہل مدینہ) کی رائے مناقشہ ومکالمہ کی متقاضی ہو اور عقل و نقل پر مبنی ہو تو آپؒ منطقی دلیل لاتے ہیں اور اس کے بعد اس کے ثبوت کے لیے اخبار وآثار پیش کرتے ہیں۔اس علمی مکالمہ کے عقل ونقل پر مبنی ہونے کے باوجود کبھی کبھی اس میں شدت اور سختی کا احساس ہوتا ہے۔جس سے بظاہر اہلِ مدینہ کو بے بصیرتی کا الزام دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ شدت کبھی بھی امام محمدؒ اور انصاف کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔اس لیے کہ آپ زیادتی اور تعصب سے واقف ہی نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ اہلِ مدینہ کی تعریف میں رطب اللسان، ان کی رائے پر عامل اور ان کی رائے کو اپنے استادِ محترم ابوحنیفہؒ کی رائے پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں جبکہ آپ کی نگاہ میں ان کی رائے آپ کے شیخ کی رائے کے مقابلہ میں حق وصواب کے زیادہ قریب ہو۔

کتاب الحجۃ میں یہ چیز بالکل واضح ہے کہ اس میں عراقی فقہ کا دفاع کیا گیا ہے، مگر یہ دفاع ہمیشہ دلیل پر مبنی ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب فقہ عراقی وفقہ حجازی کا ایک منفرد تقابلی مطالعہ بھی ہے۔جسے بلا اختلاف ایک راہنما کی حیثیت حاصل ہے۔

امام محمدؒ نے بہت کم مسائل میں امام مالکؒ کی آراء کا مناقشہ کرنے سے تعرض کیا ہے۔عموماً وہ ان کی آراء کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور ان کی مرویات سے فقہاءِ مدینہ کا ردّ کرتے ہیں۔اسی طرح امام محمدؒ ان فقہاء مدینہ کے نام لیکر وضاحت نہیں کرتے بلکہ اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ: **واھل المدینة یقولون**...... (یعنی اہل مدینہ یوں کہتے ہیں)۔(۶۳)

کتاب الحجۃ کا جو نسخہ ہم تک پہنچا ہے اور ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے۔اس میں کچھ ابواب ایسے ہیں جن کا آغاز اس فقرے سے ہوتا ہے: **اخبرنا محمد بن الحسن**....... جبکہ کچھ دوسرے ابواب اس فقرے سے شروع نہیں ہوتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب جس صورت میں ہمارے ہاتھوں میں پہنچی ہے اس کا کچھ حصہ اس نسخہ سے نقل شدہ ہے جسے امام محمدؒ نے بذاتِ خود لکھا تھا، اور کچھ حصہ ان

کے کسی شاگرد نے ان سے سن کر لکھا ہے۔

۱۱- الاِکتساب فی الرزق المستطاب:

امام محمدؒ نے یہ کتاب اپنی زندگی کے آخری ایام میں تالیف کی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امام محمدؒ اس کتاب کی تکمیل سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ (۶۴) اس کے سبب تالیف کے بارے میں مذکور ہے کہ امام صاحبؒ جب اپنی بہت سی کتب تصنیف کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ کے اصحاب نے درخواست کی کہ زہد وورع کے موضوع پر بھی کوئی کتاب لکھیں۔ آپؒ نے فرمایا: میں کتاب البیوع تالیف کر چکا ہوں۔ (۶۵) اس سے ان کی مراد معاملات کے اصول اختیار کرنا تھا جیسا کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں اس زہد صادق اور ورع صحیح کی صورت میں گفتگو کی ہے۔

اس کتاب کا اصل نسخہ ہم تک نہیں پہنچا۔ اس کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے وہ امام صاحبؒ کے شاگرد ابن سماعہ کا اختصار کردہ ہے، جس کی وضاحت انہوں نے اپنی اس تلخیص کے آغاز میں اس طرح کی ہے کہ: میرے بعض دوستوں نے، اللہ ان کی زندگی دراز کرے، مجھ سے تقاضا کیا ہے کہ میں امام عالم علامہ محمد بن حسنؒ کی ''الاکتساب فی الرزق المستطاب'' نامی کتاب کی تلخیص کر دوں۔ میں اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور بادشاہ حقیقی کی عطا سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کا آغاز کر دیا۔

محمد بن سماعہ اس تلخیص کا آغاز اس بیان سے کرتے ہیں کہ: امام محمدؒ نے اپنی اس کتاب کا آغاز اس قول سے کیا ہے کہ: تلاش معاش ہر مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح طلبِ علم فرض ہے، اور اس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعین سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ توکل پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ کسب معاش اور جدو جہد کے منافی نہیں ہے۔ بعض فرقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور ان پر بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسب وعمل عبادت ہے، حتیٰ کہ وہ پیشے اختیار کرنا بھی عبادت ہے جو لوگوں کے عُرف میں گھٹیا تصور کیے جاتے ہیں۔

پھر کسبِ وعمل کی اقسام پر گفتگو کرتے ہوئے انہیں چار اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) اِجارہ (۲) تجارت (۳) زراعت (۴) صنعت اور ان اقسام کے درمیان باہمی فضیلت اور ان میں اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد اِسراف اور ان چیزوں کے بارے میں گفتگو کی ہے جن کے کھانے اور پہننے میں اسراف شمار ہوتا ہے۔ اس بات پر گفتگو کی ہے کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے اور یہ کہ مدد کرنا کب لازم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صدقہ اور بوقت ضرورت بھیک مانگنے کے جواز پر بھی گفتگو کی

164

اس کے بعد ریشم اور سونا پہننے، گھروں اور مساجد کو پختہ، چونے کے سلفیٹ اور سونے کے پانی وغیرہ سے ان کو منقش کرنے کا ذکر کیا ہے۔ مذکورہ تمام امور پر طویل بحث کرتے ہوئے ہر مسئلہ کا شرعی حکم بیان کرتے ہیں اور اس کی دلیل قرآن وسنت سے پیش کرتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں عمل صحابہ و تابعین کو دلیل بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فقہاء بالخصوص عراقی فقہاء کی آراء کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

اس کتاب کی آخری عبارت کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ: محمد بن سماعہ رحمہ اللہ نے کہا کہ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: وھذا الذی بینت فی ھذا الکتاب قول عمر وعثمان وعلی وابن عباس وغیرھم من اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عن الصحابة أجمعین۔ وھو مذھب أبی حنیفة وأبی یوسف وزفر ومن بعدھم من الفقھاء رحمھم اللہ، وبذالك نأخذ واللہ تعلی أعلم بالصواب۔

''میں نے جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ یہی مذہب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرات عمر، عثمان، علی، ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم کا ہے، اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور ان کے بعد آنے والے فقہاء کا ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

امام سرخسیؒ نے ''کتاب الاکتساب فی الرزق المستطاب'' کو ابن سماعہ سے المبسوط میں روایت کیا ہے۔ (٦٦) مگر اس پر ''الکسب'' کے نام کا اطلاق کیا ہے۔ مطبعۃ الانوار قاہرہ نے ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں کتاب الاکتساب کو شائع کیا ہے اور اس پر تحقیق کی نگرانی کے فرائض شیخ عرنوس نے انجام دیئے ہیں۔

بلاشبہ اسلام کا اقتصادی نظام اخلاقی قواعد اور روحانی اقدار کے ساتھ گہرے ربط وتعلق کی وجہ سے دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں سے ممتاز اور منفرد ہے۔ کتاب الاکتساب کے ملخص میں اسلام کے بعض اقتصادی پہلوؤں کو انتہائی گہری اور جامع صورت میں پیش کیا گیا ہے، جس نے عصر حاضر کے بعض ماہرین اقتصادیات اور یورپین اہلِ علم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ (٦٧)

یہ امام محمدؒ کی وہ کتب ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ہم تک پہنچی ہیں اور امام محمدؒ کی طرف ان کی نسبت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام محمدؒ کی کتب ''نادر الروایہ'' جو ہم تک نہیں پہنچیں اور نہ ہی کبھی شائع ہوئیں اور وہ کتب جن کی امام موصوف کی طرف نسبت میں اختلاف ہے ان کو ہم نے

اپنے اس تعارف میں شامل نہیں کیا ہے۔

نتیجہ بحث:

امام محمدؒ کی فقہی خدمات، علمی کارنامے، ماہرانہ قانون ساز عقلی صلاحیت اور استنباط و اجتہاد میں عبقریت اور قانون بین الاقوام کا بانی و مؤسس ہونا، اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ امام موصوف، مجتہد مطلق امام اور بقول ڈاکٹر حمید اللہ، اسلام کے عظیم ترین اور بلند پایہ فقیہہ تھے۔ اور حدیث، لغت، ادب میں بھی درجہء امامت پر فائز تھے۔ امام محمدؒ درجہء اجتہاد میں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ مذاہب سے کسی طرح کم نہیں ہیں آپ مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع ہیں نہ کہ مجتہد فی المذہب۔

امام محمدؒ جب اپنے شیخ ابو حنیفہؒ یا کسی دوسرے فقیہہ سے اصول یا فروع میں اتفاق کرتے ہیں، تو دراصل فہم وادراک اور دلائل سے کرتے ہیں نہ کہ تقلید واتباع کی حیثیت سے (۶۸)۔ امام صاحبؒ قیاس اور استحسان میں وسعت نظر اور گہری بصیرت کی بناء پر فقہاء اہلِ رائے کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے اہلِ حدیث کے ساتھ انتہائی وابستگی رکھی۔ تاہم آپ نے پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ اہل عراق کے منہج کو ترجیح دی۔

حقیقت یہ ہے کہ امام محمدؒ کو فقہ عراقی وفقہ حجازی دونوں کو بیک وقت حاصل کرنے اور فقہاء امصار کی ایک بہت بڑی تعداد سے کسبِ فیض کے جو مواقع میسر آئے، ان کی بنا پر آپ مدرسہ کوفہ اور مدرسہ مدینہ کے منہج کے جامع تھے اور بیک وقت فقیہہ رائے اور فقیہہ اثر تھے۔ بزدوی کا بیان ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا:

> **لایستقیم الحدیث إلابالرأی، ولا یستقیم الرأی إلا بالحدیث، حتی من لایحسن الحدیث أوعلم الحدیث، ولا یحسن الرأی فلا یصلح للقضاء والفتویٰ (۶۹)**
>
> ''رائے کے بغیر حدیث کو درست طریقہ سے نہیں سمجھا جاسکتا، اور حدیث کے بغیر رائے میں آدمی سیدھی راہ پر قائم نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ جو شخص حدیث یا علمِ حدیث کا ماہر نہ ہو اور نہ ہی رائے سے اچھی طرح واقف ہو وہ قضاء وفتویٰ کا اہل نہیں ہوسکتا''۔

اس لحاظ سے امام موصوف اپنے ہمعصر بعض فقہاء سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اسی طرح حجازی وعراقی فقہاء کے منہج کے درمیان قربت پیدا کرنے اور تقابلی فقہ کی تدوین میں ایسا منفرد منہج اختیار کرنے کے لحاظ سے جس کو آپ سے قبل کسی نے نہیں اپنایا تھا۔ امام صاحب کا نہایت بلند مقام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب حنفی محض امام ابوحنیفہؒ کی آراء کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ نام ہے امام ابوحنیفہؒ ان کے شیوخ اوران کے تلامذہ کی آراء کا۔ ان میں بعض تو فقہی اجتہاد میں ان سے کم نہیں ہیں جیسے ابویوسف، محمدؒ اور زُفر۔ چنانچہ مذہب حنفی ایک جماعت فقہاء کا مذہب ہے، جنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اوران کے شاگردوں سے لیکر امام محمدؒ تک وراثتاً علمی میراث کے طور پر حاصل کیا ہے۔ یہ مذہب بحث مباحثوں مناظروں اور تجزیہ وتحقیق کے بعد مدوّن ہوا ہے۔ یہ علمی مباحثے اور مناظرے بعض اوقات کئی کئی دن اور مہینہ مہینہ اس عظیم استاد کے زیر سایہ مسلسل جاری رہتے جو اپنے حلقہء درس میں علمی مکالمے کی انتہائی حوصلہ افزائی کرتے، اس کے مواقع فراہم کرتے اور غلطیوں کی اصلاح کرتے تھے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس اجتماعی مذہب کی فقہ کو اس طرز پر مدوّن کرنے کا کریڈٹ امام محمدؒ کو جاتا ہے۔ کہ جو کچھ انہوں نے اپنے شیوخ سے سنایا جو کچھ ان سے حاصل کیا، اسے مدوّن کرلیا اور اس میں اپنی آراء کا بھی اضافہ کیا۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام محمدؒ نے اس مذہب کی تدوین میں مصروف ہو کر فقہ عراقی بالخصوص فقہ شیخین (ابوحنیفہ وابویوسف) کو خصوصی اہمیت دیکر یہ فریضہ انجام دیا۔ جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب ''الأصل'' کے آغاز میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام محمدؒ کی یہ تدوینی کاوش تدوین فقہ کی اولین کاوش ہے جو محققانہ علمی منہج کے مطابق فقہی مسائل کی جامع ہے۔ اس لحاظ سے امام موصوف اپنے بہت سے معاصرین پر سبقت لے گئے ہیں جو درجہء اجتہاد میں اُن کے ہم پلہ تھے۔

حواشی ومصادر

۱- کوثری، محمد زاهد متوفی (۱۳۷۱ھ)، بلوغ الأمانی فی سیرة الإمام محمد بن الحسن الشیبانی ص۴، طبع الخانجی۔

۲- الذهبی، العبر فی خبر من غبر، ج ا ص ۳۰۲، طبع کویت۔

۳- محمد الدسوقی، ڈاکٹر، الامام محمد بن الحسن الشیبانی وأثره فی الفقه الاسلامی ص ۷۷، طبع اول دار الثقافة دوحة، ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷ء۔

۴- محمد ابوزهرة، الأستاذ۔ مقدمة تحقیق کتاب السیر الکبیر ص ۹۔

۵- داؤد طائی (متوفی ۱۶۵ھ) مقدمة الآثار ص ۱۸۔

۶- بغدادی، خطیب (احمد علی بن ثابت متوفی ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۰۲۔ مطبعة

سعادۃ ---کوثری، محمد زاہد، حسن التقاضی ص۱۲ طبع الخانجی۔

۷- محمد الدسوقی، ڈاکٹر، الامام محمد بن الحسن الشیبانی وأثرہ فی الفقہ الإسلامی ص۸۱،۸۲۔

۸- شوقی ضیف، ڈاکٹر، تاریخ الأدب العربی (العصر الاسلامی) ج۳ ص۲۴۶، طبع دار المعارف ---الطبری ج۳ ص۳۱۹۔

۹- الإمام محمد بن الحسن الشیبانی وأثرہ فی الفقہ الاسلامی ص۹۰،۹۱۔

۱۰- مجلۃ مدینۃ الإسلام (ترکیا) ص۴۶۔

۱۱- غذی، المولی تقی الدین بن عبدالقادر التمیمی (متوفی ۵۳۹ھ) الطبقات السنیۃ فی طبقات الحنفیۃ ح۳ ص۲۸۹، مخطوط دار الکتب المصریۃ --- تاریخ بغداد ج۱ ص۱۷۳۔

۱۲- السرخسی، محمد بن احمد بن سہل (متوفی ۴۹۰ھ)، أصول السرخسی ج۱ ص۲۷۸ طبع دار الکتاب العربی۔

۱۳- مرآۃ الجنان للیافعی، ج۲ ص۴۲۳ -- تاریخ بغداد ج۲ ص۱۷۸۔

۱۴- الشیبانی، محمد بن الحسن، الآثار ص۳۵، طبع جدید دائرۃ المعارف النعمانیہ ہندوستان (چار اجزاء پر مشتمل)۔

۱۵- قرشی، محی الدین أبی محمد عبدالقادر (متوفی ۶۹۶ھ)، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ج۲ ص۴۳، طبع ہندوستان۔

۱۶- قاضیخان، حسن بن منصور (متوفی ۵۹۲ھ)، شرح الزیادات، اول باب الوصیۃ لذوی الارحام، مخطوط، خاص نسخہ مکتبہ شیخ علی خفیف۔

۱۷- الکاسانی، ابوبکر بن مسعود بن احمد (متوفی ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۲ ص۳۳، طبع الجمالیۃ ۱۳۲۸ھ۔

۱۸- الإمام محمد بن الحسن الشیبانی وأثرہ فی الفقہ الاسلامی ص۱۴۳۔

۱۹- طاش کبری زادہ (أحمد بن مصطفیٰ متوفی ۹۶۸ھ)، مفتاح دار السعادۃ، ج۲ ص۱۲۶ - النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر للکنوی ص۹۸۔

۲۰- لکھنوی، محمد بن عبدالحیٔ (متوفی ۱۳۰۴ھ)، الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ ص۱۲۳، طبع السعادۃ -- الأثمار الجنیۃ ورقۃ ۱۶۵۔

۲۱- ابن ندیم، الفہرست، ص۲۰۴۔

۲۲- فاضل بن عاشور، تحقیق کتب ظاہر الروایۃ ص۹۰۸، مجلۃ الأزہر سنۃ ۳۶۔

۲۳- تاریخ الأدب العربی لبروکلمان ج ۳ ص ۲۵۷۔
۲۴- محمد ابوزھرہ، شیخ، أبوحنیفہ، ص ۲۲۹، دار الفکر العربی۔
۲۵- ابن کمال پاشا، طبقات فقہاء الحنفیۃ ورقۃ ۹ مخطوط دار الکتب المصریۃ۔
۲۶- مفتاح دار السعادۃ، ج ۲ ص ۲۶۱، دار الکتب الحدیثۃ۔
۲۷- المبسوط للسرخسی ج ۱۴ ص ۱۸۰، طبع ساسی۔
۲۸- مجلۃ مدنیۃ الاسلامی، ترکیا، ص ۴۶، ۶، ۱۳۳۳ھ۔
۲۹- الحجوی، محمد بن الحسن (متوفی ۱۳۷۶ھ)، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۲۰۹، ط الرباط۔
۳۰- الأصل، کتاب الإجارۃ الفاسدۃ، المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۳۱۔
۳۱- تاریخ الأدب العربی ج ۳ ص ۲۸۴۔
۳۲- النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر للیافعی ص ۱۲۔
۳۳- علی حسن بن عبدالقادر، ڈاکٹر، نظرۃ عامۃ فی الفقہ الاسلامی/۲۴۹، طبع سوم دار الکتب الحدیثۃ۔
۳۴- النافع الکبیر للیافعی ص ۱۱۔
۳۵- حوالہ سابق
۳۶- حوالہ سابق ص ۱۱، ۱۲۷۔
۳۷- حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاشف چلپی (متوفی ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون فی أسامی الکتب والفنون، ج ۱ ص ۵۶۲، طبع یورپ۔
۳۸- النافع الکبیر ص ۱۲۱۔
۳۹- کوثری، محمد زاھد، بلوغ الأمانی ص ۶۲۔
۴۰- نظرۃ عامۃ، ص ۲۴۹۔
۴۱- بلوغ الأمانی ص ۶۲۔
۴۲- کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۷۔
۴۳- ابن عابدین، محمد أمین (متوفی ۱۲۵۲ھ)، رسالۃ رسم المفتی ص ۱۹، طبع الحلبی -- الطبقات السنیۃ ج ۳ ص ۲۹۴، مقدمہ شرح سرخسی۔
۴۴- الإمام محمد بن الحسن الشیبانی وأثرہ فی الفقہ الاسلامی، ص ۳۴۳۔
۴۵- عبدالغنی حسن، ڈاکٹر، اسلام کا بین الاقوامی قانون، ماہوار رسالۃ المجلۃ، جولائی ۶۰ء۔

۴۶- الامام محمد بن الحسن الشیبانی ..... ص ۱۵۸۔

۴۷- مجلۃ الأزھریۃ، سنۃ ۳۶ ص ۹۰۹۔

۴۸- بروکلمان ج ۳ ص ۲۴۹۔

۴۹- نظرۃ عامۃ ص ۲۴۹۔

۵۰- بلوغ الأمانی ص ۶۴۔

۵۱- محمد ابوزھرۃ، أبوحنیفۃ ص ۲۱۵۔

۵۲- مجلۃ مدنیۃ الاسلام (ترکیا) ص ۹۔

۵۳- الامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۶۴۔

۵۴- المبسوط، ج ۲ ص ۱۳۷-- مجلۃ مدینۃ الاسلام ص ۶۹۔

۵۵- ابوحنیفۃ ص ۱۲۶۔

۵۶- مقدمۃ الأثار، ص ۸۔

۵۷- الأثار ص ۴۶۔

۵۸- مجلۃ مدینۃ الاسلام (ترکیا) ص ۴۵۔

۵۹- محمد ابوزھرہ، مالک، ص ۱۹۲۔

۶۰- مجلۃ الأزھر، المحرم ۱۳۹۴ھ، ص ۲۸۔

۶۱- کوثری، محمد زاہد، مقدمۃ کتاب أحادیث المؤطا للدارقطنی ص ۵۔

۶۲- مجلۃ مدنیۃ الاسلام (ترکی) ص ۱۸۔

۶۳- الحجۃ، ص ۹۰۔

۶۴- الاکتساب فی الرزق المستطاب لامام محمد ص ۴۷، طبع مطبعۃ الانوار ۱۹۳۸ء۔

۶۵- المبسوط ج ۱۲ ص ۱۱۰۔

۶۶- ج ۳۰ ص ۲۴۴۔

۶۷- الامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۳۴۰۔

۶۸- رسالۃ رسم المفتی لابن عابدین ص ۳۱۔

۶۹- محمد الدسوقی، ڈاکٹر، الامام محمد بن الحسن الشیبانی وأثرہ فی الفقہ الاسلامی، ص ۲۹۰۔